فتنہ انکار حدیث اپنے نئے چولے میں

مولانا عبداللہ طارق

انسانوں کی طبیعتیں اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی بنائی ہیں ایک اطاعت وعبادت اور فرماں برداری کا ایسا شوق فراواں ہے کہ وہ ایک حکم کی تعمیل کر کے اگلے حکم کا منتظر ومشتاق رہتا ہے کہ اب کیا حکم ملتا ہے کہ اس کی بھی تعمیل کروں، ابھی فرض نماز پڑھی ہے اب منتظر ہے کہ اب فلاں نفل نماز کا وقت ہوا جاتا ہے وہ بھی پڑھ لوں، جس کو علامہ اقبال نے اپنے فارسی کلام میں کہا ہے کہ:

تب و تاب یکے اللہ اکبر نہ گنجد در نماز پنجگانہ

(ایک بندۂ خدا کی حرارت و بے قراری کا عالم اللہ اکبر یہ ہے کہ وہ صرف پانچ نمازوں میں نہیں ساتا) یعنی اس کے جذبہ مناجات اور ذوق سجود کو مزید کچھ نفل نمازوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک سست وکاہل شخص ہے کہ اس کو لازمی احکام اور ضروری اور کم سے کم فرائض کا انجام دینا بھی دشوار اور بارگراں ہے۔ یہ ذمہ داریوں سے فرار کا مزاج کچھ دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ مزاج ہر جگہ کام کرتا ہے کہ جو کام بہت ضروری ہو بس وہ کرلیں، جتنی کم سے کم مشقت سے کام چلے سکے بس اتنی ہی اٹھالیں۔ جتنا کم سے کم خرچ کرنا پڑے بس اتنا ہی کرلیں، جو عبادت بہت ضروری ہو بس اسی کو انجام دے لیں وغیرہ۔

اسی کمزوری کے تحت کچھ عرصہ قبل بعض لوگوں نے حدیث نبوی کے خلاف آواز اٹھائی تھی کہ حدیث کو دین میں کوئی تشریعی اہمیت حاصل نہیں، وہ دین کا حصہ نہیں، بس قرآن مجید میں جو کچھ ہے وہ دین ہے، قرآن مجید کا حکم ہی لائق تسلیم ہے، حدیث سے جو کچھ ثابت ہو وہ دین وشریعت نہیں ہے۔ اس طرح وہ دین کی بے شمار باتوں سے دامن جھٹک کر آزاد ہوگئے۔ اس فتنے کا علماء اسلام نے بھرپور مقابلہ کیا اور متعدد کتابیں اور مضامین مضبوط دلائل کے ساتھ لکھے گئے، اس ناچیز نے بھی انتخاب الترغیب والترہیب کے مقدمہ میں تفصیل سے حدیث نبوی کا شرعی حجت ہونا اور حدیث کا انکار در پردہ، پوری شریعت کا اور خود قرآن مجید کا انکار ہونا دلائل سے ثابت کیا تھا جو ۱۹۷۳ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد پاکستان میں بھی شائع ہوئی۔

اب وہ ''فتنہ انکار حدیث'' اس شکل میں تو تقریباً ختم ہے یا دب گیا ہے کہ لوگ برملا حدیث نبوی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوں، لیکن اس فتنے نے اب ایک نئے روپ اور تبدیل شدہ چولے میں دوبارہ جنم لیا ہے:

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں　　　　اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات

اب یہ فتنہ ایک خوب صورت نام سے آیا ہے، پہلے اس کی شکل ردوجحوداوراباء وانکار کی تھی، اب حدیث ہی کے الفاظ وتعبیرات استعمال کر کے اور محدثین ہی کی اصطلاحات بول کر اور بظاہر حدیث ہی کے حامی بن کر حدیث کے انکار کی مہم چلائی جارہی ہے۔

یہ فتنہ ہے ''ضعیف حدیث کے قبول کرنے سے انکار'' کا، اس میں آدمی بظاہر یہ گستاخی وبے ادبی تو نہیں کرتا کہ وہ صاف صاف ارشادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کردے اور اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کردے لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ ارشادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کررہا ہے۔ اس لیے کہ ضعیف حدیث بھی بلاشک وشبہ ارشادنبوی ہی ہے۔ حدیث کی اصطلاح میں ضعیف حدیث وہ کہلاتی ہے کہ جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی تمام صفتیں نہ پائی جارہی ہوں یعنی حدیث کا بیان کرنے والا راوی اپنے حافظے، اپنے دین ودیانت اور اپنی فہم وبصیرت کے لحاظ سے اگر ہر طرح بالکل درست اور قابل اعتماد ہے اور اس کی بیان کردہ روایت دیگر قابل اعتماد لوگوں کی بیان کردہ حدیثوں کے خلاف بھی نہیں ہے نہ کوئی علت خفیہ قادحہ اس میں پائی جاتی ہے تو وہ روایت صحیح ہے اور اگر یہ تمام باتیں یا ان میں سے کچھ باتیں اس حدیث کی سند میں نہیں پائی جائیں تو وہ ضعیف ہے اور ان دونوں کے درمیانی حیثیت حسن کی ہے۔ (دیکھیے مقدمہ مشکوٰۃ، ص ۵، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی مختصراً)

پھر اس میں بھی یہ ہے کہ ایک حدیث خود اپنی سند کے لحاظ سے ضعیف ہوتی ہے لیکن دیگر متعدد سندوں سے وہی الفاظ یا اس کا مفہوم ثابت ہوتا ہے ایسی حدیث حسن لغیرہ یا صحیح لغیرہ کہلاتی ہے یعنی اپنی سند سے نہ سہی دیگر اسباب سے یہ صحیح حدیث یا حسن حدیث کا درجہ رکھتی ہے۔ (حوالہ بالا)

اس مختصر مضمون میں حدیث کی فنی بحثیں نہیں لکھی جاسکتیں لیکن یہ بہرحال طے ہے کہ حدیث ضعیف بھی ارشادنبوی اور ثابت من السنہ حدیث ہی ہوتی ہے اور لفظ ضعیف یہاں کمزور اور بے ثبوت بات کے معنی میں ہرگز نہیں ہے۔

جو حضرات حدیث نبوی کا تھوڑا سا بھی فنی ذوق رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حدیث ضعیف تاریخ کے مقابلہ میں سوگنا زیادہ مستند ومعتبر ہے اس لیے کہ حدیث ضعیف کا راوی بہرحال مومن ہے، سچا ہے، بددین نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ راوی حدیث میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ اس معاملے میں کم درجے کا آدمی ہے، جب کہ ہم لوگ تاریخ کو بے جھجک قبول کرتے ہیں اور ضعیف حدیث پر ناک منہ بناتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے امت کے ائمہ حدیث امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر معروف ائمہ فن حدیث، ضعیف حدیث کو بلاتکلف قبول کرتے آئے ہیں، مسند احمد اور صحاح ستہ وغیرہ میں بے شمار حدیثیں ضعیف ہیں خود بخاری شریف بھی ضعیف حدیثوں سے بالکل خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ اہل فن سے مخفی نہیں ہے۔

فرق یہ ہے کہ حلال وحرام کے فیصلے کے لیے یا عقائد اور صفات الٰہی کے ثبوت کے لیے ضعیف حدیث معتبر نہیں

لیکن مواعظ وقصص اور اعمال خیر کی فضیلت یا عتاب وغیرہ کے بارے میں ہمیشہ ائمہ حدیث ضعیف حدیث کو قبول کرتے آئے ہیں۔اس میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔

آج حال یہ ہے کہ دور حاضر کے بعض علماء نے ضعیف حدیثوں کو متقدمین کے حدیثی ذخیروں میں سے الگ کر کے ان کے مستقل الگ مجموعے تیار کر دیئے ہیں کہ فلاں کتاب کی صحیح حدیثیں یہ یہ ہیں اور اسی کتاب کی ضعیف حدیثیں یہ ہیں۔اس ذہن کے لوگوں کے سامنے جب کسی دینی مضمون پر کوئی ضعیف حدیث پیش کی جاتی ہے تو وہ اس حقارت سے اس کو رد کرتے ہیں کہ "یہ تو ضعیف حدیث ہے" گویا نا قابل التفات چیز ہے۔نعوذ باللہ من ذلک۔

جب کہ یہ مشاہدہ ہے کہ خود ان کے معتمد علماء کا قول اگر کسی بات کی تائید میں پیش کر دیا جائے تو وہ اس کو بخوشی قبول کر لیتے ہیں، گویا ضعیف حدیث ان کے معتمد عالم کے قول کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔فالی اللہ المشتکی۔

یہ ایسی دیدہ دلیری اور ایسی سنگین ڈھٹائی ہے کہ امت مسلمہ میں آج تک کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔

دوسری انتہا: اسی کے ساتھ دوسری طرف یہ سنگین بے احتیاطی بھی ہمارے یہاں پائی جاتی ہے کہ فضائل کے نام پر موضوع ومنکر روایات کو بھی درج کر لیا گیا ہے، جب کہ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث موضوع کا ذکر کرنا قطعاً حرام ہے۔الا یہ کہ اس کی حقیقت بیان کرنے اور اس کا موضوع ومن گھڑت ہونا واضح کرنے کے لیے لکھا جائے۔جیسا کہ بہت سے محدثین نے احادیث موضوعہ کے مستقل مجموعے تحریر کیے ہیں۔

صحیح طریقہ: صحیح طریقہ اور مسلک اعتدال یہ ہے کہ عقائد، صفات الٰہی، احکام حلال وحرام کے بارے میں تو جیسا کہ ہمیشہ سے اسلاف کا عمل رہا ہے کتاب اللہ یا صرف حدیث صحیح یا حسن کو دلیل بنایا جائے اور وعظ وتذکیر، اعمال کے فضائل واجر وثواب وغیرہ کے لیے حدیث ضعیف کو بھی قبول کیا جائے، لیکن کبھی کبھی ضعیف حدیث جب شدید درجے کی ضعیف ہو یعنی اس کے کسی راوی پر سخت قسم کی جرح ہو تو ایسی روایت کے قبول کرنے میں احتیاط کی جائے اس لیے کہ وہ ضعیف کی حد سے گزر کر موضوع کے قریب پہنچ گئی ہے اور جہاں تک موضوع ومن گھڑت حدیث کا تعلق ہے تو اس معاملے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

لیکن صرف ضعیف ہونا کسی حدیث کے رد کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔مطلقاً کسی حدیث کو اس کے ضعف کی وجہ سے رد کر دینا رفتہ رفتہ فرار عن الدین کی راہ ہموار کرنا ہے، امید ہے کہ ملت کے باشعور حضرات اس مذکورہ خدشہ کو محسوس کریں گے اور ضعیف حدیث کو رد کر دینے اور پھر اس کے پس پردہ رفتہ رفتہ حدیث نبوی سے بغاوت کے پہنچنے کے چور دروازوں سے محتاط ہونے کی کوشش کریں گے۔جس طرح موضوع ومن گھڑت بات اور غیر حدیث کو حدیث کہنا جرم ہے اور ہمیں اس معاملے میں حساس ہونا چاہیے اسی طرح حدیث نبوی کو غیر حدیث کہہ کر رد کر دینا بھی بڑی سنگین بات ہے۔ہمیں دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے۔☆☆☆